وہ حق وعدل ہے اور اس کی ذات سے صادر ہونے والی ہر شے حق وعدل ہے۔

فرمایا:

وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَىْءٍ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ (المؤمن: ۲۰)

اور اللہ سچائی کے ساتھ حکم فرماتا ہے اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی حکم نہیں کر سکتے بیشک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

یہ آیت اس بیان کا حصہ ہے جس میں عظمت الٰہی اور اس کے مطلق اختیارات کا ذکر ہے۔ قیامت کے دن انسانی اعمال کا جو فیصلہ ہونا ہے اس میں کوئی زیادتی اور . . . حق تلفی نہیں ہوگی۔ اس سے پہلے کی آیات میں اللہ کا اعلان موجود ہے کہ کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ یہ اس کے فعل عدل کی مثال ہے۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ (المؤمن: ۱۷)

آج کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

انسان مصلحتوں کے پردے میں صحیح بات کہنے سے گریز کرتا ہے۔ حق کو چھپاتا ہے اور اس طرح عدم توازن اور عدم تناسب کا ارتکاب کر کے عدل کے منافی رویہ اختیار کرتا ہے لیکن قادر مطلق حق بات کہنے سے نہیں رُکتا کہ یہی اس کی صفت عدل کا تقاضا ہے، عربوں کی رسم تبنّیٰ کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ۔ (الاحزاب: ۴)

ترجمہ: یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں اللہ تو حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

رب کائنات نے اپنے رویۂ عدل کو نہایت واضح طور پر سورۂ انعام میں بیان فرمایا۔ اسلوب بیان سے عدل کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے فرمایا:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔[1]

اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی و عدل میں پوری ہیں اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سب سننے والا اور جاننے والا ہے

اللہ کی صفت عدل کا تکوینی اظہار پوری کائنات میں عیاں ہے۔ کائنات کا نظم، اس کی ترکیب، اس کے اجزاء اور اس کی حرکت و سکون سب مظاہر عدل ہیں کہیں خرابی و بدنظمی کا شائبہ تک نہیں۔ ارشاد باری ہے۔

مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۚ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۞ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ۔[2]

(دیکھنے والے) کیا تو خدائے رحمٰن کی آفرینش میں نقص دیکھتا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھے کوئی شگاف نظر آیا پھر دوبارہ نظر کر تیری نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور نامراد تھک کر لوٹ آئے گی۔

---

[1] الانعام: ۱۵

[2] الملک: ۳، ۴

پھر فرمایا :

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ، فرشتوں نے اور اہلِ علم نے بھی وہی اللہ عدل سے قائم ہے اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔

رب کریم کا عدل تکوینی طور پر اس کائنات میں جاری وساری ہے اور اس نے بااختیار انسان کو عدل کا رویہ اختیار کرنے کے لئے اپنے خاص بندوں کو عدل کا پابند کیا حضرت داؤد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا تم حق کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلے کرو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا لے جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عدل کرنے کے اعلان کا حکم ہوا۔

قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ

۱؎ آل عمران : ۱۸

۲؎ ص : ۲۶

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيْرُ[1]

آپ کہہ دیں کہ جو کتاب اللہ نے نازل کی ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں اللہ ہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے اعمال کا۔ ہم اور تم میں کوئی بحث و تکرار نہیں اللہ ہم سب کو اکٹھا کرے گا اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عادلانہ مزاج اور رویے کو منشاء الٰہی کے طور پر پیش کیا گیا اور تاریخ گواہ ہے کہ آپؐ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ عدل کی عملی تفسیر تھا آپ نے اہلِ کتاب، مشرکین، مخالفین، منافقین، اصدقاء اور اقرباء حتیٰ کہ اپنی ذات تک کہیں بھی عادلانہ روش سے انحراف نہیں کیا ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنائم تقسیم کر رہے تھے کہ عبداللہ ابن ذی الخویصرہ نے آپؐ سے کہا:

"اعدل یا رسول اللہ"

یا رسول اللہ آپؐ عدل کریں

آپ نے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ آئندہ نسلوں کے لئے نصیحت و عبرت کا سامان ہے۔ فرمایا:

"ویلك من یعدل اذا لم اعدل"[2]

---

[1] شوریٰ: ۱۵

[2] بخاری کتاب المرتدین (۴/۳۹۰) نیز باب المناقب نیز مسند امام احمد، صحیح مسلم، باب زکوٰۃ ابن ماجہ۔

تم ہلاک ہو، اگر میں عدل نہ کروں گا تو کون کرے گا۔

منشاء الٰہی کی تشریعی تنفیذ کے لئے صاحب ارادہ و اختیار انسانوں کو حکم ہوا کہ عدل و احسان کا رویہ اختیار کریں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ [1]

اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدل ایک تصور ہے، ایک عمل ہے یہ زندگی کا ایک طریقہ ہے، زندگی چونکہ اپنی وسعت کے باعث کئی پہلو رکھتی ہے اس لئے عدل بھی متنوع مظاہر کا حامل ہے اور اسے مختلف تعبیروں سے بیان کیا جاتا ہے مثلاً انفرادی، اجتماعی اور پھر اجتماعی عدل میں معاشرتی سیاسی، معاشی اور قانونی عدل۔ قرآن نے ان تمام مفاہیم کا احاطہ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوہ کے ذریعے اس کی بے نظیر وضاحتیں کی ہیں کتاب و سنت کے مفاہیم و مظاہر کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدل اسلام میں کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

انفرادی عدل

انسان اپنے انفرادی رویّوں اور مزاج کے لحاظ سے افراط و تفریط اور ظلم و زیادتی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ وہ حُبِ مال اور حُبِ ذات کے باعث متوازن طرزِ عمل سے ہٹ جاتا ہے۔ اور اس کا یہی انفرادی رویّہ بڑے بڑے اجتماعی خطرات کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن نے اس کے مزاج کو معتدل رکھنے کے لئے خصوصی ہدایات فرمائی ہیں

[1] النحل : ۹۰

قرآن پاک کی اصطلاح "القسط"[1] انہی معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ[2]

اے ایمان والو اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کی خاطر کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشک اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ[3]

کہہ دو کہ میرے پروردگار نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا[4]

---

[1] "القسط" اسم مصدر ہے اور یہ عدل کے متبادل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ اور اس مادہ کے مشتقات قرآن پاک میں ۲۲ مرتبہ وارد ہوئے ہیں۔ عدل ہی کے باعث میزان کو قسطاس کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ (الاسراء ۳۵، الشعراء ۱۸۲) اس اصطلاح کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے اور بندوں کی طرف بھی جیسے و نضع الموازین القسط لیوم القیامۃ۔ (الانبیاء ۴۷) اقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان (الرحمٰن ۹)۔ اس مادہ کے بعض استعمالات میں ظلم کے معنی بھی آئے ہیں۔ یعنی رفع عدل۔ اہل سنت نے اسے اضداد میں شمار کیا ہے۔

[2] المائدہ: ۸

[3] الاعراف: ۲۹ [4] البقرہ: ۱۴۳

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزمان) تم پر گواہ بنیں۔

حبِ مال کے مفاسد سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى۔ [1]

اور جس نے بخل کیا بے پرواہ بنا رہا اور نیک بات کو جھٹلایا ہم اسے سختی میں پہنچائیں گے۔

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا [2]

جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو مال اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کے رکھیں اور ہم نے ناشکروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا [3]

اور مال کو بہت عزیز رکھتے ہو۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ

---

[1] سورۃ اللیل: ۸ تا ۱۰

[2] النساء: ۲۷

[3] الفجر: ۲۰

الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ
وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ
حُسْنُ الْمَاٰبِ ؎۱

لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں مگر یہ سب دنیا کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔

وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ یَحْسَبُ
اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ؎۲

طعن آمیز اشارے کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے جو مال جمع کرتا اور گن گن کر رکھتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا۔

حُبِّ ذات کی حقیقت اور اس کے مفاسد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ
وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ؎۳

اور زمین پر اکڑ کر مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ؎۴

بلاشبہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے، بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

؎۱ آل عمران: ۱۴
؎۲ الھمزہ: ۱ تا ۳
؎۳ بنی اسرائیل: ۳۷
؎۴ النساء: ۳۶

لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ[1]

اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کہ اللہ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں۔

حب مال اور حب ذات فرد کی زندگی میں اعتدال و توازن کی بجائے فساد و بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور انسان عدل کی بجائے ظلم کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اعتدال و توازن انسان کی انفرادی زندگی میں اجتماعی فلاح و بہبود کی راہ ہموار کرتا ہے اس لئے عدل کی صفت کو فرد کی تربیت میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ[2]

اور ہماری مخلوق میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰی اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ[3]

اور قوم موسیٰ میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا راستہ بتانے اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

اجتماعی عدل

عدل فرد کی زندگی میں اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ معاشرے کے اجتماعی وجود کے لیے۔ اسلام کے اجتماعی نظام میں عدل کی وہی اہمیت ہے جو کسی عمارت میں اساس کی ہوتی ہے۔ مستحکم اجتماعی عدل کے تحت معاشرتی، سیاسی، معاشی اور قانونی عدل کے پہلو آتے ہیں۔ قرآن نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ایک نقطۂ نظر دیا ہے جسے اپنانے سے

---

[1] لقمٰن: ۱۸

[2] اعراف: ۱۸۱

[3] ایضاً: ۱۵۹

ست مند معاشرتی ماحول قائم کیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نکات
کی قولی و عملی تشریح منقول ہے جسے کتب حدیث میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اجتماعی عدل اسلامی نقطۂ نظر سے ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی
کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں وہ فکر و عمل اور
ضمیر و وجدان سب پر چھایا ہوا ہے اس کا انحصار معاشی قدروں پر ہے یہ اپنے وسیع تر
مفہوم کے اعتبار سے صرف مادی قدروں تک محدود نہیں بلکہ مادی، معنوی اور روحانی تمام
طرح کی اقدار کے ایک خوشگوار امتزاج کا نام ہے [1]

معاشرتی عدل

اجتماعی زندگی میں ناانصافی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب افراد میں
معاشرتی امتیازات ظاہر ہوتے ہیں اور غلام و آقا، عام و خاص
کمتر و برتر اور ظالم و مظلوم کے طبقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہی طبقاتی تقسیم بالآخر اس معاشرے
کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ قرآن پاک نے معاشرتی مساوات کا تصور دے کر ظلم کی
جڑ کاٹ دی اور انسان کے خود ساختہ معیار برتری اور غلط پندار کی نفی کر کے عادلانہ
روش کی راہ ہموار کی۔ اور ارشاد خداوندی ہے۔

يَآأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ
وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً
وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ [2]

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اسی

---

[1] العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام

[2] القرآن، ۴: ۱

جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم اللہ تعالےٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔

رنگ و نسل کا امتیاز بھی بسا اوقات ظلم کا باعث بنتا رہا ہے اس کی حقیقت بھی واضح کی۔ فرمایا:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[1]

اے انسانو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری مختلف قومیں اور خاندان بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

حضور اکرمؐ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالاٰباء ایھا النّاس کلکم من اٰدم واٰدم من تراب لا فخر للانساب لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم[2]

"اے گروہ قریش۔ اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کی بزرگی کے فخر کو تم سے دور کر دیا۔ اے لوگو! تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔

---

[1] الحجرات ۱۳:
[2] سیرت ابن ہشام: ۴: ۴۵

سب کے لئے کوئی فخر نہیں ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں
میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے!

اسلام نے اونچ نیچ کے سارے امتیازات یک قلم مٹا دئے اور تاریخ
انسانی میں پہلی مرتبہ مساوات انسان کا اتنا عظیم تصور عملی صورت میں ظاہر ہوا۔ معاشرتی
مساوات کے اس تصور پر اتنا زور اس لئے دیا گیا کہ اس کی غیر موجودگی سے ہی ظلم
کی راہ کھلتی ہے۔ مساوات کا یہی تصور تھا جس نے امیر و حقیر یا غلام و آقا کے درمیان
کوئی امتیاز نہیں رہنے دیا۔ حضور کا ارشاد ہے:

من قتل عبدہٗ قتلناہ ومن جدع عبدہ جدعناہ
ومن اخصی عبدہ اخصیناہ[1]

جو اپنے غلام کو قتل کرے گا اسے ہم قتل کریں گے جو اس کی ناک تراشے
گا اس کی ناک تراش لی جائے گی اور جو اسے خصی کرے گا ہم اسے خصی کریں گے۔

معاشرتی ظلم کی ایک نوعیت عورت کے حقوق کی نفی تھی جسے قرآن نے ختم کیا
اور دنیا کو احساس دلایا کہ اس کی حیثیت مجبور و بے بس غلام کی نہیں بلکہ تمہارے جیسے
انسان کی ہے اس نے انسان کو حقوق و فرائض کی مساوات کا احساس دلایا۔ فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

---

[1] بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔

دَرَجَۃٌ [1]

عورتوں کے لئے معروف طریقہ پر ہی حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے حقوق ان کے
ذمہ ہیں البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ [2] حاصل ہے۔

مرد و عورت کے روابط میں شکست و استحکام کی صورتوں میں عادلانہ رویہ کی
طرف خصوصی توجہ دلائی گئی۔ اگر کسی وجہ سے عدل کا رویہ قائم نہ رہ سکتا ہو تو اس
کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ مثلاً قرآن نے ایک سے زائد نکاح کی اجازت دی لیکن
اسے عدل کی روش سے مشروط کیا۔ فرمایا:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ
لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ فَاِنْ
خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا [3]

اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر
سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند ہوں، دو دو تین تین یا چار چار ان سے نکاح کر لو اور اگر
اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب سے یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت ہی (کافی

---

[1] البقرہ: ۲۲۸

[2] یہ درجہ مرد کی زیادہ ذمہ داریوں کے باعث ہے۔

[3] النساء: ۳

ہے) یا باندی جس کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔"

آپ نے ملاحظہ فرمایا آیت کے آغاز، درمیان اور اختتام پر عادلانہ روش کا تذکرہ کس خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یوں کہئے کہ پورے طرز عمل کو عدل کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے۔

عورتوں کے حقوق کی طرح باہمی یتیموں کے سلسلے میں بھی عدل کی بات کی گئی۔

اور باہمی معاملات میں عدل کو کیسی اہمیت دی گئی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ لین دین کے معاملات حتیٰ کہ کسی کے بارے رائے دینے تک میں عدل کا ذکر کیا گیا ہے فرمایا:

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ [1]

اور تمہارے باہمی معاملے کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے۔

اسی طرح اسلام نے معاشرتی عدل کو قائم رکھنے کے لئے ان تمام رکاوٹوں کو دور کیا جو ظلم کا ذریعہ بن سکتی تھیں۔

سیاسی عدل

انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر سب سے زیادہ ظلم کا شکار اس وقت ہوتا ہے جب معاشرے کا سیاسی انتظام غیر عادل ہاتھوں میں ہوتا ہے کیونکہ ظالم سیاسی نظام افراد معاشرہ سے نہ صرف ان کے حقوق چھینتا ہے بلکہ ان کے امن و سکون کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ قرآن نے قوت اور عدل کو ساتھ ساتھ بیان کیا:

---

[1] البقرہ ۲۸۲:۲

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا بِالْبَیِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَأْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔

اور ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں زبردست طاقت ہے اور لوگوں کے لئے فائدے ہیں۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ مقرر کیا ہے۔ پس تم لوگوں میں حق اور صداقت سے حکومت کرو اور خواہش کے پیچھے نہ لگ جانا، ورنہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا دے گا۔

سیاسی عدل کے ضمن میں وہ مرحلہ بڑا مشکل ہوتا ہے جب دو مسلم گروہ باہم آمادہ پیکار ہوں۔ ایسے میں اس بات کا امکان ہے کہ سیاسی قوت کسی ایک فریق کی طرف جھکاؤ کا اظہار کرے قرآن پاک نے اس کے لئے عدل کو معیار بنایا۔ ارشاد باری ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ، فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔

لہ الحدید: ۲۵

ٹہ ص: ۲۶

ٹہ الحجرات:

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے۔ پھر اگر رجوع کر لے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔

سیاسی عدل کے مفہوم میں انتظامی و تنظیمی ظلم و بگاڑ کو دور کر کے ایسی فضا قائم کرنا ہے کہ کوئی شہری محرومی کا شکار نہ ہو اور ہر ایک کو اپنے حقوق محفوظ نظر آئیں۔ جان و مال، عزت و آبرو اور حریت و اختیار ہر قسم کی مداخلت سے محفوظ رہیں۔ اسلام نے حقوق و فرائض میں جو عادلانہ نظام قائم کیا ہے وہ اپنی انفرادیت و افادیت کے باعث آج بھی اُسی طرح پُر کشش ہے جیسے چودہ سو برس پہلے تھا۔

سیاسی عدل اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں معاشرے کا اجتماعی وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے اور معاشرے کی حیثیت ایک جنگل کی سی ہو جاتی ہے جس میں وہی بچ سکتا ہے جو ظالم اور خونخوار ہو۔ سیاسی عدل ہی معاشرے کو متوازن اور مامون زندگی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ قرآن و سنت میں امراء و حکام کی صفات، ذمہ داریوں اور طرز عمل کے بارے میں جو تفصیلات آئی ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کو ختم کرنے اور عدل کو قائم کرنے میں کتنی فضیلت ہے۔ ان تفصیلات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نازک ذمہ داری کا احساس کس طرح دلایا ہے۔ مندرجہ ذیل نصوص بطور شواہد پیش کی جا سکتی ہیں۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ
لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ [۱]

اور یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان میں پورا اترا تو رب نے فرمایا میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا کیا میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ
فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ [۲]

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں۔ ان لوگوں کی طرح کر دیں جو زمین میں فساد کرتے ہیں، کیا ہم پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح کر دیں۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ [۳]

اور داؤدؑ کی بادشاہی کو ہم نے مضبوط کیا اور اسے حکمت اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت دی۔

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ [۴]

یوسفؑ نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مامور کر دے، بے شک میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں۔

---

[۱] البقرہ ۱۲۴
[۲] ص ۲۸
[۳] ص ۲۰

ان نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ سیاسی انتظام کیلئے کیسے افراد مطلوب ہیں اور
ن کیا کرنا چاہیئے؟ رسول اللہؐ نے امراء کو امانت اور جوابدہی کے تصور سے سرشار
۔ اس ضمن میں امام بخاری اور مسلم نے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

مامن وال یلی رعیۃ من المسلمین فیموت وھو
غاش لھم الا حرم اللہ علیہ الجنۃ [1]

کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس
ت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کرنے والا تھا، تو اللہ اس پر
ت حرام کر دے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ کو اس انتظام کی اہمیت و نزاکت
احساس دلایا۔ آپؐ کے الفاظ سے اس کی شدت کا پتہ چلتا ہے۔

یا ابا ذر انك ضعیف وانھا امانۃ وانھا یوم القیامۃ
خزی وندامۃ الا من اخذ بحقھا وادی الذی علیہ فیھا [2]

اے ابوذر! تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا منصب ایک امانت ہے۔
یامت کے روز وہ رسوائی اور ندامت کا موجب ہو گا۔ سوائے اس شخص کے
س نے اس کے حق کا پورا پورا لحاظ رکھا اور جو ذمہ داری اس پر عائد تھی اسے
ٹھیک ٹھیک ادا کیا۔

من اخون الخیانۃ تجارۃ الوالی فی رعیۃ [3]

کسی حاکم کا اپنی رعیت میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے۔

---

[1] بخاری کتاب الاحکام، مسلم کتاب الامارہ
[2] کنز العمال، ۶/ حدیث ۱۴۲، ۶۹
[3] ایضاً

رسالت محمدیؐ کے فیض یافتہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حکمران کی بے انصافی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

من یظلم المؤمنین فانما یخفر اللہ [1]

اور جو مسلمانوں پر ظلم کرے، وہ خدا سے غداری کرتا ہے۔

مسلمان حکمرانوں نے امانت اور جوابدہی کے اسی تصور کے زیر اثر سیاسی عدل کی ایسی تابناک مثالیں پیش کی ہیں جنہیں تاریخ کی زینت قرار دیا جاتا ہے۔

معاشی عدل

حیات انسانی میں توازن وہم آہنگی کا جو تصور اسلام نے دیا ہے اسے برقرار رکھنے میں معاشی عدل کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ معاشی زندگی میں ظلم استحصال، زراندوزی اور اسراف وتبذیر سے ہوتا ہے جبکہ اسلام انفاق فی سبیل اللہ، حق معیشت کی مساوات اور ایثار کے اصولوں سے معاشی عدل کی راہ ہموار کرتا ہے دورِ حاضر معاشی فلسفوں اور اقتصادی انقلابات کی زد میں ہے۔ باہمی کش مکش اور تصادم نے معاشی ظلم کے ہولناک مناظر پیش کئے ہیں سرمایہ داری اور اشتراکیت کے خود غرضانہ اور ظالمانہ نظاموں سے نجات کی صورت اسلام کا تصور عدل ہے۔ ناجائز ذرائع اختیار کرنے اور لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھا کر دولت سمیٹنے کے ظالمانہ طریق سے روکتے ہوئے اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ
اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ
وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [2]

---

[1] کنز العمال ۶: حدیث: ۵۰۵ ۲ مسلم کتاب الامارہ: ۵: ۱۸: ۱۱

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور ان کو حکام کے سامنے پیش کرو تاکہ لوگوں کے مال جانتے بوجھتے گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا [1]

جو لوگ یتیموں کے اموال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں جلیں گے۔

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا [2]

اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ [3]

تباہی ہے ان کم تولنے والوں کے لئے جو دوسروں سے لیتے وقت تو پورا پیمانہ بھر کے لیتے ہیں اور دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

بیجا خرچ بخل اور اکتناز کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ [4]

کھاؤ اور پیو مگر حد سے نہ بڑھو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

---

[1] النساء: ۱۰

[2] البقرہ: ۲۷۵

[3] مطففین: ۱تا۳

[4] الاعراف: ۳۱

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا [1]

فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ [2]

بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو عیب چین اور بدگو ہے، جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا، ہرگز نہیں وہ ضرور پھینکا جائے گا توڑ دینے والی آگ میں۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ [3]

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک سزا کی خبر دے۔

اسلام نے حق معیشت کی مساوات ایثار اور انفاق کے ذریعے معاشرے سے معاشی ناہمواریوں کو دور کیا تاکہ کوئی شخص محروم المعیشت نہ رہے۔ اسلام کے عادلانہ نظام میں لوگوں کا انفرادی معاشی استحکام اساسی اہمیت کا حامل ہے۔ ارشاد

---

[1] بنی اسرائیل: ۲۶، ۲۷

[2] الہمزہ: ۱ تا ۴

[3] التوبہ: ۳۴

رہی ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا[1]

اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ
مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ
مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ
حَمِيْدٌ[2]

اے ایمان والو، اللہ کی راہ میں خرچ کرو ان عمدہ چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں اور جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں ردی چیزیں الگ کر کے اللہ کی راہ میں نہ دو حالانکہ اگر وہ تمہیں دی جائیں تو تم ہرگز انہیں نہ لو اور یہ کہ اغماض برت جاؤ خوب جان لو کہ اللہ بے نیاز اور بہترین صفات رکھتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ[3]

یہ وہ لوگ ہیں جن کے مال و دولت میں حق ہے، سوالی اور محروم کے لئے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[4]

اور ان کو اپنی جان سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔

علامہ اقبالؒ نے اسلام کے معاشی عدل کو شعر کے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

؎ تا نہ باشد در جہاں محتاج کس　　　نکتۂ شرع مبین ایں است و بس

---

[1] سورۃ ہود: ۶

[2] سورۃ البقرۃ: ۲۶۷

[3] سورۃ المعارج: ۲۴، ۲۵ [4] الحشر: ۹

باہمی احترام، احساس ذمہ داری اور خدمت کے نتیجے میں اجتماعی تکافل کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

من کان معہ فضل ظہر فلیعد بہ علی من لا ظہر لہ

ومن کان معہ فضل زاد فلیعد بہ من لا زاد لہ

جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اسے اس کے حوالے کر دے جس کے پاس کوئی سواری نہ ہو اور جس کے پاس زاد راہ زاید ہو تو جس کے پاس زاد راہ نہ ہو وہ اسے دیدے۔[1]

قانونی عدل

اجتماعی زندگی میں جب حقوق و فرائض میں عدم توازن پیدا ہوتا ہے، حقوق پامال ہوتے ہیں یا فرد اور اجتماع کے وجود کو خطرات لاحق ہوتے ہیں تو ضوابط و قوانین ہی تحفظ کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کے آغاز ہی سے قوانین وضوابط کی تشکیل و تنفیذ کا عمل شروع کر دیا تھا۔ فساد و بگاڑ کو امن واستحکام میں بدلنے کے لئے قوانین کا عادلانہ استعمال مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ قانون سازی اور تنفیذ قانون کا ایک طویل عمل ہے جو حیات انسانی کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ انسان نے اپنے لئے اپنی عقل، تجربے، مشاہدے اور باہمی مشاورت سے قوانین بنائے اور خالق انسان نے بھی اپنی حکمت بالغہ کے تحت اُسے اصول وضوابط عطا فرمائے انسان کے پاس قوانین کے اصولی اور تشریحی تفاصیل کا ایک ذخیرہ موجود ہے لیکن اس کے باوجود انسانی معاشرے ظلم و ناانصافی کا شکار اور عدل کی برکات سے محروم ہیں اس کا ایک سبب تو عادلانہ قوانین کے شعور کا فقدان

---

[1] مسلم و ابوداؤد۔

ہے اور دوسری وجہ ان قوانین کے درست نفاذ میں کوتاہی ہے۔ قرآن نے حکمت الٰہی سے وہ اصول دیئے ہیں جن کے ادراک اور تعمیل ظلم کی نفی ہوتی ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلعم نے عملی نفاذ کا نمونہ بھی عطا کیا ہے تاکہ اُس کی پیروی سے ہر دور میں قیام عدل کا عمل جاری رکھا جاسکے۔ انسانیت بالعموم اور مسلمان بالخصوص کم شعوری اور کوتاہی کے باعث ظلم کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ قرآنی نقطہ سے قیام عدل انبیاء کی بعثت کا مقصد رہا ہے۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ [1]

اللہ تعالیٰ تم کو عدل کے طرز عمل کا حکم دیتا ہے۔

وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ [2]

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

اسلامی نقطۂ نظر سے چونکہ ظلم معاشرے کی بنیادیں ہلا دیتا ہے اس لئے اس کی ہر قسم کو ختم کرنا ضروری ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو ظلم کرنے سے روکا اور فرمایا:

ان الظلم ظلمات یوم القیامۃ [3]

ظلم قیامت کے دن اندھیروں کی مثل ہوگا۔

ضابطے اور قانون کے نفاذ کے سلسلے میں اسلام نے کسی کوتاہی اور کمزوری

---

[1] النحل: ۹۰

[2] النساء: ۵۸

[3] مسلم کتاب البر والصلۃ: ۲۱۸۰۶

Dr. Zakir Husain Library Jamia Nagar J.M.I.

کے بعد اقدام کیا ہے۔ ہم قیام عدل کے ضمن میں صرف دو اصولوں کے بیان پر اکتفا کریں
گے جو نظام عدل اور قیام عدل کی روح اور اساس ہیں۔

۱۔ عدل قائم کرنے والے افراد۔

۲۔ قیام عدل کا عمل۔

عادل افراد

قرآن کی رو سے منصبی ذمہ داری کے لئے سب سے اولیں بات افراد کی اہلیت ہے اگر قیام عدل کی ذمہ داری نااہل افراد کے سپرد ہوگی تو اس کے نتائج ظلم کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ وہ لوگ جنہیں قانون، مقاصد قانون، جرائم کے اسباب و نتائج سزا کی نوعیت و حکمت اور معاشرے کے اجتماعی اخلاقی مفاد کا کامل شعور نہیں اور صرف معاشرتی مرتبے اور تنخواہ کی کشش نے انہیں کرسی عدالت پر بٹھا دیا ہے وہ بقول ڈاکٹر برہان احمد فاروقی عدل کی قربان گاہیں تیار کریں گے۔ قرآن نے اس اہم نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تودوا الاما نات اِلٰى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ
بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ [1]

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدہ طلب کرنے والوں کو ناپسند فرمایا [2] کیونکہ اس امر کا امکان ہے کہ عہدہ طلبی کے پیچھے خواہش نفس کا کوئی ظالمانہ پہلو چھپا ہو۔

---

[1] النساء: ۵۸
[2] بخاری، کتاب الاحکام، ۴: ۱۶۵

دوسری اہم بات غیر جانبداری اور بے لوثی ہے۔ کیونکہ ذاتی خواہش، گروہی مفاد اور خارجی دباؤ عادلانہ فیصلوں کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بن سکتے ہیں اور بنتے رہے ہیں۔ قرآن سنّت میں اس پہلو کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے سورۂ نسار کی درج ذیل آیت قیام عدل کے سلسلے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا [1]

ترجمہ: اے ایمان والو انصاف کی حمایت میں کھڑے ہو جاؤ اور اللہ کے لیے گواہ بنو اگرچہ تمہارا اپنا اس میں نقصان ہو یا ماں باپ کا، یا رشتہ داروں کا۔ اگرچہ دولت مند ہوں یا محتاج کیونکہ اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، تو تم انصاف کرنے میں اپنے نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو اگر تم زبان ملو گے یا کچھ بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔

اس کی بہترین وضاحت ہمیں اسوہ رسولؐ میں ملتی ہے۔ قریش کے معزز قبیلہ کی ایک خاتون چوری کرتی ہے، حد نافذ کرنے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی جاتی ہے جس کے جواب میں آپؐ ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] القرآن ۴: ۱۳۵۔

انما هلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشريف، والذي نفسي بيده لو ان فاطمة (بنت محمد) فعلت ذلك لقطعت يدها [1]

تم سے پہلے جو اُمتیں گذری ہیں وہ اسی لیے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور برتر درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے بھی ہرگز دریغ نہ کرتا۔

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں،

رأيت رسول اللهؐ يقيد من نفسه [2]

میں نے رسول اللہ کو خود اپنی ذات سے بدلہ لیتے بھی دیکھا۔

اس درجہ کی بے غرضی و غیر جانبداری سے قیام عدل کا عمل بے حد مؤثر ہو جاتا ہے اور مجرموں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ عہد رسالت اور خلفائے راشدین کا دور اس حقیقت پر شاہدِ عادل ہے۔

تیسری اہم بات جوابدہی کا تصور ہے۔ اصحاب عدل اپنے فیصلوں میں غلطی کر سکتے ہیں [3] اور اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ یہ اصلاح اسی وقت ممکن ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے سامنے جوابدہ سمجھیں یعنی اگر ان پر تعبیر کی غلطی واضح ہو جائے تو اعتراف اور رجوع کی گنجائش موجود ہو۔ یہ جو توہین عدالت

---

[1] بخاری، کتاب الحدود ص ۱۳۲۱۔

[2] کتاب الخراج، ۱۱۶۔ [3] اجتہادی غلطی

کا غیر اسلامی تصور رائج ہے یہ انسان کو معصوم اور مافوق البشر ثابت کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسلام اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اسلامی نقطہ نظر سے صاحب اختیار اپنے ہر فیصلے کے لیے اپنے خالق کے سامنے جوابدہ ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے لیے امت مسلمہ کے سامنے۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے۔

مامن امیر یلی امر المسلمین ثم لا یجھد لھم ولا ینصح الا لم یدخل معھم فی الجنۃ [1]

کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں قطعاً نہ داخل ہوگا۔

جوابدہی کا قرآنی تصور فیصلہ کرنے والے کو ہر لمحہ چوکس رکھتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا [2]

اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ ہے اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی۔ اس نامۂ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلم بند کئے ہوئے، نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

---

[1] مسلم ... کتاب الامارۃ ۔ ۱۲۰۱۵ [2] الکہف : ۴۹

یہ مقام صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کو حاصل ہے کہ ان کے فیصلوں سے سرتابی نہ کی جائے کیونکہ یہاں مجال اختلاف سے ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے قرآن پاک میں ہے۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا [1]

کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو اپنے اس معاملے میں ان کے لیے کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

قیام عدل کا عمل

عدل کے لئے جہاں اہل افراد درکار ہیں وہاں معاون اور سازگار ماحول بھی ضروری ہے نیز عادلانہ فیصلہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک سچی گواہی کا انتظام نہ ہو کیونکہ چرب زبانی اور غلط بیانی سے فیصلوں پر اثر انداز ہوا جا سکتا ہے۔ رسول اللہؐ جیسے صاحب وحی اپنے رفقاءؓ کو خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انما انا بشر وانه یاتینی الخصم فلعل بعضهم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انه صادق فاقضی له فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیحملها او یذرها [2]

---

[1] الاحزاب: ۳۶

[2] مسلم کتاب الاقضیہ ۲۱: ۴، ۳۳۲۳، بخاری، کتاب الاحکام ۲۱: ۱۶

میں ایک انسان ہوں اگر میرے پاس کوئی مقدمے والا آتا ہے اور ایک دوسرے سے بہتر بات کرتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ سچا ہے اور میں اس کے موافق فیصلہ کر دیتا ہوں تو جس کو میں کسی مسلمان کا حق دلا دوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے اس کو لے یا چھوڑ دے۔

قیام عدل کے عمل میں جہاں مدعی کو خوف خدا دلایا گیا ہے وہاں جھوٹی گواہی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ جھوٹی گواہی کے رواج سے پورا نظام عدل درہم برہم ہو سکتا ہے۔ قرآن میں ہے:

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى [1]

اور جب بات کہو تو عدل کرو خواہ کسی قرابت دار کا معاملہ کیوں نہ ہو۔

مومنین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا [2]

اور وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو باوقار انداز سے گزر جاتے ہیں۔

کتمان شہادت کے بارے میں قرآن نے کہا:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ [3]

---

[1] الانعام: ۱۵۲

[2] الفرقان: ۷۲

[3] البقرہ: ۲۸۳

شہادت کومت چھپانا جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہگار ہوگا اور خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ [1]

اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے۔ اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادۃ الزور کو کبائر میں شمار کیا ہے [2]

اجتماعی عدل کے اس تصور نے ملت اسلامیہ کو ایک جسد کی مانند بنا دیا ہے یہاں سے وہاں تک ایک ہی احساس کام کرتا ہے۔ ایک عضو کو جو تکلیف پہنچتی ہے تمام اعضا اس کے درد کی ٹیس محسوس کرتے ہیں۔ باہمی تعاون و تکافل کے اصول پر مستحکم ہونے والی اس ملت کی حیات اجتماعی کو حضور اکرمؐ نے دلکش اور مؤثر تعبیر سے بیان فرمایا:

ترى المؤمنين فى توادهم و تراحمهم و تعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر و الحمى [3]

ہم لطف و کرم اور انس و محبت میں مسلمانوں کا حال جسم کا سا ہے کہ جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو بدن کا عضو عضو بے خوابی اور بخار کے ذریعے شریک غم بن جاتا ہے۔

مومنین کے باہمی تعاون کی ایک اور لطیف تشبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

المؤمن للمومن كالبنيان يشد بعضه بعضا [4]

---

[1] المائدہ: ۱۰۶

[2] بخاری، کتاب الشہادات ۲: ۶۹

[3] بخاری، کتاب الادب ۴: ۲۸ [4] ایضاً، ۳۹

ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت (کی اینٹوں) کی مانند ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو تھامے اور سنبھالے رہتی ہے۔

تعاون وتکامل یہ وہ اعلیٰ ترین معیار ہے جس تک ہمارا تخیل پرواز کر سکتا ہے۔ یہی اصول ہے جس کے تحت اجتماعی جرائم کے لیے سزائیں مقرر کی گئیں ہیں اور اگر انہیں تہ کر دیا جائے تو معاشرے کی اجتماعیت محفوظ نہیں رہ سکتی۔ رسول اکرم نے فرمایا،

کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وعرضہ ومالہ [1]

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب کچھ حرام ہے۔ اس کا خون، اس کی عزت و آبرو، اس کا مال۔

اجتماعی عدل اور خیر خواہی کا ایک لازمی تقاضا امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ معروف کا فروغ اور منکر سے روکنا انفرادی اور اجتماعی عدل کو مستحکم کرنے کا ذریعہ ہے، قرآن نے مومن کی ایک تعریف یہ بھی بیان کی ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۤءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ [2]

مومن مرد اور عورتیں، سب ایک دوسرے کے رفیق و دمساز ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

قرآن نے سورۂ مائدہ کی آیت ۷۸، ۷۹ میں بنی اسرائیل کو اس لئے ملعون قرار دیا کہ وہ ایک دوسرے کو بُرے اعمال سے نہیں روکتے تھے اور حدیث میں آیا ہے:

لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نہتہم علماءہم فلم ینتہوا فجالسوہم فی مجالسہم وآکلوہم وشاربوہم فضرب اللہ قلوبہم بعضہم

---

[1] بخاری کتاب الادب ۴ : ۳۹

[2] توبہ : ۷۱

ببعض ولعنهم علی لسان داوود وعیسٰی بن مریم[1]

جب بنی اسرائیل میں گناہوں کا بازار گرم ہوا تو ان کے علماء نے انہیں روکا لیکن وہ نہیں رکے۔ البتہ ان علماء نے مجالس میں ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا جاری رکھا۔ پس اسی پر اللہ نے ان میں سے بعض (یعنی علماء) کے دلوں کو بعض دوسروں (یعنی عوام) کے دلوں کی مانند کر دیا اور ان پر عیسٰی ابن مریم اور داؤد کی زبان سے لعنت بھیجی۔

ایک دفعہ کچھ لوگوں نے آیت :—

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ[2]

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر ہو—

سے یہ مفہوم نکالا کہ یہ کسی شخص کی ظلم و گمراہی پر خاموش رہنے کی اجازت فراہم کرتی ہے۔ ابوبکر صدیقؓ کو علم ہوا تو انہوں نے اس کی وضاحت کی۔ کتب حدیث میں اس کی تفصیل ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

یاایھا الناس انکم تقرءون ھذہ الآیۃ وانکم تضعونھا علی غیر موضعھا وانی سمعت رسول اللہ یقول ان الناس اذا رأوا الظالم فلم یأخذوا علی یدہ اوشک ان یعمھم اللہ تعالٰی بعقاب وانی

---

[1] مسند احمد: ۳۹۱ ترمذی، ابواب التفسیر: ۱۱ : ۵

[2] المائدہ: ۱۰۵

سمعت رسول اللہ ؐ یقول ما من قوم یعمل فیھم بالمعاصی ثم
یقدرون علی ان یغیروا فلم یغیروا الا یوشک ان
یعمھم اللہ بعقاب[1]

لوگو تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کی غلط تاویل کرتے ہو میں نے رسول اللہ ؐ کو فرماتے سنا ہے کہ لوگوں کا حال جب یہ ہو جائے کہ وہ ظالم کو دیکھیں مگر اس کا ہاتھ نہ پکڑ سکیں تو پھر اللہ کو ان پر عام عذاب بھیجتے دیر نہیں لگتی اور میں نے رسول اللہ ؐ کو کہتے سُنا ہے کہ کوئی قوم ایسی ہو جس میں گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہو اور کچھ لوگ اس حالت کے بدلنے پر قادر ہوں لیکن پھر بھی نہ بدلیں تو اللہ کی طرف سے سزائے عام نازل ہوتے دیر نہیں لگتی۔"

گویا قیامِ عدل کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں میں کوتاہی سے نہ صرف یہ کہ معاشرے کا سکون برباد ہوتا ہے بلکہ اللہ کی گرفت کا امکان بھی ہے جو دنیا و آخرت کی سب سے بڑی ذلت ہے۔

---

[1] ترمذی، ابواب التفسیر: ۱۱۱۸۱، مشکوٰۃ، مناب ا ، داب ۲: ۳ ۴۴۳